بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک تحریک جو PFUJ کہلائی

تحریر: منہاج برنا

ترجمہ: کاشف حسن

پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (PFUJ) پاکستان کے صحافیوں کی ٹریڈ یونین ہے۔ اس کی 50 سالہ تاریخ نے ثابت کیا کہ یہ ٹریڈ یونین سے زیادہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔ درحقیقت اس تحریک کی روداد کارکنان کی باعزت اجرتوں کے لئے معرکوں سمیت پریس اور اظہار رائے کی آزادی کے لئے جنگوں سے بھری پڑی ہے۔ PFUJ کی تاریخ پر تبادلہ خیال کرتے وقت کسی کو بھی یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ بہت بڑی مشکلات کا سامنا کرکے پروان چڑھی ہے۔ پاکستان میں کبھی بھی ٹریڈ یونینز کو آزادانہ کام کرنے نہیں دیا گیا۔ جاگیردار اور سرمایہ دار نواز ریاست نے ہر دور میں انہیں ''اشتمالی (کمیونسٹ) اور سرکش'' قرار دے کر ترش رویہ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ الحاق کے حق اور ہڑتال کے حق کی پابند شقیں تکنیکی اعتبار سے آزادانہ کارگزاری میں رکاوٹ ثابت ہوئیں۔

اس کے بعد آنے والی حکومتیں مذکورہ قوانین میں سرسری نوعیت کی ترامیم کرتی ہیں اور استحصال کے نظام کا تحفظ یقینی بناتی ہیں۔ اس کی روشن مثال ملازمت کے المناک کنٹریکٹ سسٹم کا سرکاری سطح پر دونوں (سویلین اور ملٹری) اداروں میں قانونی قرار دے کر رائج کیا جانا سرمایہ دار طبقے کی یاوری کے مترادف ہے۔ اس نظام سے مزدور طبقہ لیبر قوامین میں دی گئی مراعات سے محروم ہوجاتا ہے جو ایک سے سہولت دے کر دوسرے ہاتھ سے واپس لینے کے مترادف ہے۔

خالصتاً معاشی مطالبات کے شعبے میں PFUJ کی تاریخ ایک سے بڑھ کر ایک واقعات سے سرشار ہے جیسے 1949 میں سندھ یونین آف جرنلسٹس کی ''روزنامہ سندھ آبزرور کراچی'' میں 49 روز کی ہڑتال پاکستان یونین آف جرنلسٹس (PFUJ) کے قیام میں اہم سنگ میل بنی۔ بعدازاں 1954 میں ٹائمز آف کراچی، 1966 میں ڈیلی انجام کراچی، 1969 میں ڈیلی کوہستان لاہور کی ہڑتالیں اور پھر 1977 میں PPL کی قیادت میں (پاکستان ٹائمز اور امروز) کے یونینسٹ کارکنان کی PUJ کے اشتراک سے 4 کم درجے کے ملازمین کی بحالی کے لئے بھوک ہڑتال، اپریل 1970 میں دوسرے عبوری ویج بورڈ ایوارڈ کے اخباری ملازمین کی اجرتوں پر اطلاق کے لئے 10 روزہ تاریخی ملک گیر ہڑتال اور 1974 میں بیرونی مداخلت پر ''مساوات لاہور'' سے برطرف کیے گئے صحافیوں اور اخباری ملازمین کی بحالی کے لئے 45 روزہ بھوک ہڑتال کی تحریک جو بعدازاں ملک گیر تحریک بنی اور اس میں 300 سے زائد صحافی اور پریس ورکرز پابند سلاسل ہوئے۔

1970 میں ہونے والی دس روزہ ملک گیر بھوک ہڑتال متعدد اہم وجوہات کی بنا پر یادگار رہی۔ اس ہڑتال کی مرکزی وجہ اخباری مالکان کی تنظیم (آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی) کی جانب سے ایک دہائی سے تنخواہوں سے محروم اخباری ملازمین کو دوسرے ویج بورڈ میں اعلان شدہ 35 فیصد مراعات دینے سے صاف انکار بنا۔ یہاں یہ خیال رہے کہ اس وقت ویج بورڈ ایوارڈ صرف صحافیوں کو دیا جاتا تھا اور نیوز ایجنسیاں بشمول اے پی این ایس بھی اس پر دیگر اخباری ملازمین کا حق تسلیم کرنے اور اس کا اطلاق کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ یہ مظاہرے اے پی این ایس کے موقف کی نفی اور اس کے کھوکھلے پن کو عیاں کرتے تھے جس کا تسلسل آج ساتویں ویج بورڈ ایوارڈ کے دور میں بھی جاری ہے، آج بھی مالکان صحافیوں کو ایوارڈ دینے پر راضی ہیں لیکن دیگر اخباری ملازمین کو نہیں۔ اے پی این ایس کا یہی انکار دوسرے ویج بورڈ ایوارڈ کے دوران ہائی کورٹ سے مقدمہ ہارنے کے باوجود جاری رہا جس پر PFUJ کو ہڑتال کا ہتھیار آزمانا پڑا۔

اس ہڑتال سے قبل 14 اخبارات و جرائد کے مدیران نے الزام لگایا کہ میڈیا ورکرز کمیونسٹوں اور مولانا بھاشانی کے نقش پر ہڑتال کی دھمکی دے رہے ہیں۔ انہوں نے انتہائی بےشرمی سے جنرل یحییٰ کی فوجی حکومت کو معاملے میں کودنے سمیت PFUJ اور اس کے قائدین کے خلاف آمرانہ قوانین کے تحت کارروائی کرنے کی صلاح دی۔

1970 کی ہڑتال کا دوسرا اہم پہلو نے پہلی بار تمام صحافیوں، خطاطوں اور پریس ورکرز کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا جبکہ پہلا اور دوسرا ویج بورڈ ایوارڈ صرف اور صرف صحافیوں کے لیے مختص تھا تاہم PFUJ نے تواتر سے دیگر اخباری ملازمین مروجہ ویج بورڈ ایوارڈ میں شامل کرنے یا ان کے لئے اسی طرح کا دوسرا ویج ایوارڈ متعارف کرنے کا مطالبہ جاری رکھا۔ PFUJ کا موقف ہمیشہ یہی رہا کہ اخبار صرف صحافی کی نہیں بلکہ اخباری دفتر کی چھت تلے کام کرنے والے، ایک ہی آجر سے تنخواہ پانے والے اور ایک ہی طرح کے سماجی و معاشی مسائل بشمول مہنگائی سے دوچار تمام ملازمین کی کوششوں اور محنت سے شائع ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ PFUJ نے اپنے چارٹکاتی ایجنڈے میں غیر صحافی ملازمین کو بھی شامل کیا۔ میڈیا کارکنان کی متحد ہڑتال کامیاب ہوئی اور آجران نہ صرف صحافیوں بلکہ غیر صحافی ملازمین کو بھی عبوری ریلیف دینے پر مجبور ہوئے۔ یہ سب کچھ کسی کمیونسٹ یا مولانا بھاشانی کے نقش قدم پر نہیں کیا جا رہا تھا۔ اس موقع پر کچھ گمراہ کن نعرے بھی سامنے آئے جیسے مالی آزادی، لائسز فیرے یعنی سرسری پابند تجارتی آزادی اور جمہوری حقوق جس کی آڑ میں وہ درحقیقت استحصال کے لئے بے لاگ آزادی چاہتے تھے۔ جب وہ ویج بورڈ کے ضمن میں جمہوریت کے فروغ یا پابند پریس کی بات کرتے 1973 میں منظور اور پارلیمنٹ کے اختیار کردہ نیوز پیپر ملازمین کی ورکنگ کنڈیشن کے قانون کو بھول جاتے ہیں۔ اس قانون میں اخباری ملازمین کے لیے ویج بورڈ کا دستور موجود ہے۔ اب اے پی این ایس اور سی پی این ای (اے پی این ایس کا ایک اور نام) دونوں ملٹری گورنمنٹ سے جمہوری طور پر منتخب پارلیمنٹ سے منظور شدہ قانون کی دھجیاں بکھیرنے کا تقاضہ کر رہی ہیں۔ ایسے میں جمہوریت کے فروغ کا مقصد کہاں باقی رہا؟

اپنے تمام یوٹرن کے باوجود اے پی این ایس کو بادل نخواستہ چالیس برس قبل 1960 میں منظور ہونے والا ویج بورڈ ایوارڈ قبول کرنا پڑا۔ ویج بورڈ ایوارڈ کوئی حکومتی کارنامہ نہیں بلکہ یہ خالصتاً پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں منظور ہونے والی قرارداد کا نتیجہ ہے جس میں قومی پریس میں کارکنان کے کام کرنے کی صورتحال کو تاج برطانیہ کے رائل پریس کمیشن کے مطابق بنانے کے لیے ایک پریس کمیشن تشکیل دینے کی ہدایت دی گئی ہے۔ یہ درحقیقت PFUJ کے دیرینہ مطالبات اور دستور ساز اسمبلی کی قرارداد کا ثمر ہے جس کے تحت 1954 میں پریس کمیشن مقرر کیا گیا۔ جو 1958 میں سندھ ہائیکورٹ کی جانب سے جسٹس طیب جی کی سربراہی میں مخالف کمیشن کی تشکیل کے سبب کام نہیں کر سکا۔ پریس کمیشن نے صحافیوں اور اخباری مالکان اور مدیران کے مکمل تعاون سے ایک رپورٹ مارچ 1959 میں پیش کی۔ اسی کمیشن نے عامل صحافیوں کے لئے ویج بورڈ کے قیام کی سفارش پیش کی۔ پہلا ویج بورڈ 1960 میں بنا۔ نیوز پیپر ایمپلائز (کنڈیشنز آف سروسز) ایکٹ 1973 میں PFUJ کے مطالبے پر ویج بورڈ کو تمام اخباری ملازمین پر لاگو کر دیا گیا۔ پچھلے چالیس برس میں 7 ویج بورڈز آئے اور انہوں نے ایوارڈز جاری کیے جن سے اخباری مالکان نے بے تحاشہ ترقی کی اور لکھ پتی سے کروڑ پتی اور کروڑ پتی سے ارب پتی ہو گئے۔ انہوں نے اپنا کاروبار پھیلایا، مختلف شہروں سے اپنے اخبار کے نئے ایڈیشنز جاری کیے اور اپنے اثاثوں اور دولت کو مختلف خطوں میں وسعت دی۔ اس دوران پیسہ کمانے کے لئے انہوں نے نہ صرف اشتہارات کے نرخ مہنگے کیے بلکہ اداراتی صفحات پر اشتہارات کے لیے جگہ اور سرکولیشن بھی بہت زیادہ بڑھا دی۔ اردو روزناموں کی قیمت میں ایک روپے سے 10 روپے اور انگریزی پرچوں کی قیمت ایک روپے سے 13 روپے تک بڑھا دی گئی۔ بعض اخباری مالکان اپنے ٹی وی چینلز اور کیبل نیٹ ورکس کھولنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ اسی طرح اے پی این ایس کے اراکین نیوز پرنٹ کی فروخت پر بھی لاکھوں روپے کما کر اپنے بینک اکاؤنٹس میں بھر لیتے ہیں جو انہیں بعد میں آنے والی حکومت ضرورت سے زائد کوٹے پر مہیا کرتی ہے۔

PFUJ اور اس کے قائدین کو اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی جہد مسلسل کو کبھی گوشہ نشینی کا شکار نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے ہمیشہ اخباری ملازمین کو متحد کرنے سمیت دیگر صنعتوں اور پیشوں سے وابستہ مزدوروں کو فلاح اور استحصالی قوتوں سے مقابلے و تحفظ کی فراہمی کے لئے ابلاغ کے فروغ میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس سلسلے میں PFUJ نے 1973 میں پہلی سینٹرل ایڈ ہاک کمیٹی برائے نیوز پیپر ایمپلائز یونین (CACNEU) بنائی بعدازاں 1976 میں آل پاکستان نیوز پیپر ایمپلائز کنفیڈریشن (APNEC) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اکتوبر 1977 میں سندھ کی صف اول کی ٹریڈ یونینز پر مشتمل کراچی ورکرز کوآپریشن کمیٹی (KWCC) تشکیل دی۔ KWCC وسعت پا کر ملک گیر تنظیم بن گئی اور پاکستان ورکرز کوآرڈینیشن کمیٹی یا پاکستان مزدور رابطہ کمیٹی سے موسوم کی جانے لگی جس کا ایک اجلاس 1978 میں ملتان کی کالونی ٹیکسٹائل ملز میں پولیس بہیمانہ تشدد سے بڑے پیمانے پر محنت کشوں کی شہادتوں کے بعد ہوا۔ یہ جنرل ضیاء الحق کا دور تھا، اس خونیں واقعہ کی تحقیقات کے لئے سرکاری سطح پر ایک انکوائری کمیٹی بنائی گئی جس کی رپورٹ کبھی شائع نہ ہو سکی۔

آزاد پریس کے لئے جدوجہد

PFUJ کا دستور اسے اراکین کے ساتھ کھڑے اور پریس کی آزادی کے لئے جدوجہد کا پابند بناتا ہے۔ یہ آزادی اظہار رائے کے حق اور پرنٹ شدہ الفاظ کی شکل میں ابلاغ کا حق دیتا ہے جو اپنی نوعیت کے دیگر انسانی حقوق اور آزادی سے باہم مربوط ہوں، اس آزادی اظہار میں تقریر، اجتماع اور الحاق کی آزادی بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے وقت کے ساتھ یہ آزادی جبر اور پابند کا نشانہ بنائی جاتی رہی۔ بعد میں آنے والی حکومتوں نے تاج برطانیہ سے ورثے میں ملے پریس مخالف اور جمہوریت دشمن قوانین کو گاہے بگاہے سلامتی کے نام پر سخت گیر ترامیم سے دشوار بنا دیا جیس کہ سیفٹی لاز، سیکیورٹی ایکٹ پاکستان اور دی پریس اینڈ پبلی کیشنز (ترمیم شدہ) آرڈیننس 1963۔ ان کالے قوانین کو متعارف کرواتے وقت قائداعظم کے جانشین بھول گئے کہ ان کے رہنما نے 28 جنوری 1925 کو مرکزی قانون ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ بنگال کرمنل لاز کا ترمیمی آرڈیننس ایک مہذب حکومت کی توہین کے سوا کچھ نہیں اور پریس کی آزادی کو اپنے لبوں پر سجا لینا احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے۔

PFUJ صاحب اقتدار جماعت یا فرد کا خوف کیے بغیر اصولی طور پر مسلسل ان کالے قوانین اور پریس کے معاملات میں صوابدیدی اختیارات کی مخالفت کرتی رہی۔ PFUJ دستور ساز اسمبلی کی جانب سے 1953 میں منظور کیے گئے سیکیورٹی ایکٹ آف پاکستان کی مخالفت کھڑی ہونے والی پہلی تنظیم تھی جس نے اس وقت دستور ساز اسمبلی کے صدر مولوی تمیز الدین کے پاس اپنا ایک وفد روانہ کیا اور قانون کو تقسیم ہند کے بعد ملک کے قوانین کی کتاب میں شامل ہونے والا بدترین قانون قرار دیا۔ اس سلسلے میں اجلاس کے دوران ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں حکومت کی جانب سے کسی بھی شخص پاکستان کے بیرونی معاملات پر ایگزیکٹو پاور کے تحت حراست میں لے کر بغیر الزام یا محض تعصب کی بنیاد پر نشانہ بنانے کی مذمت کی گئی۔۔۔ اس قانون میں سب سے زیادہ قابل اعتراض حصہ وہ تھا جس میں قومی پریس کو حکومت کے تابع بنانے کی کوشش کی گئی۔ اس کے ذریعے حکومت کو بیرونی معاملے پر رائے کے آزادنہ اظہار کو دبانے اور اخبارات کی جانب سے ذرائع خفیہ رکھنے کی بنا پر جیل بھیجنے کی دھمکی کی بدولت خبروں کی اشاعت رکوانے کا راستہ ملتا تھ۔ ایسے میں PFUJ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جس ملک میں حکام اس طرح کے ذاتی قوانین کے ہتھیار سے لیس ہو جائیں وہاں پریس کی آزادی محال ہو جاتی ہے اور آزاد پریس کے بغیر حقیقی جمہوریت کا وجود ممکن نہیں ہے لہذا اجلاس میں اس گھناؤنے قانون کو تلف کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

ایوبی دور آمریت کا مقابلہ

ایوب خان کے مارشل لاء میں پاکستانی پریس کو بہت بڑے اور ظالمانہ صدمے ملے۔ اس حکمران ٹولے نے 1963 میں بدترین کالا قانون ''دی پریس اینڈ پبلیکیشن (ترمیمی) آرڈیننس متعارف کروایا۔ جس نے آزاد اخبارات پر قبضے کی شکل میں ریاست کے چوتھے ستون پر چڑھائی شروع کر دی۔ اس مارشل لا آرڈیننس کا نشانہ پاکستان ٹائمز، امروز، پروگریسو پیپر لمیٹڈ کا جریدہ ہفت روزہ لیل ونہار جو معروف حزب اختلاف رہنما میاں افتخار الدین کی ملکیت تھا کو بنایا گیا۔ حکمران جابران اقدامات پر نہیں رکا بلکہ اس نے 14 روزناموں ہفت روزوں اور ان کے مختلف شہروں سے شائع ہونے والے ایڈیشنز کو قبضے میں لے کر قومی پریس ٹرسٹ (NPT) کے ماتحت کر دیا۔ جس میں پاکستان ٹائمز (لاہور اور راولپنڈی) اور امروز (لاہور، کراچی اور ملتان)، مارننگ نیوز (کراچی، ڈھاکہ)، دیا نک پاکستان (ڈھاکہ) اور مشرق (کراچی، لاہور) شامل تھے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ NPT کا پریس کو کنٹرول کرنے، اپنا مطیع اور جی حضور بنانے کے لئے عمل میں لایا گیا تھا۔ اس وقت کی اعلیٰ پایہ کی نیوز ایجنسیوں ایسوسی ایٹ پریس آف پاکستان (APP) پر ایوب خان کی حکومت نے قبضہ کر لیا تھا۔ عوام کو دکھانے کے لئے یہ اقدام ایجنسی کے مالی وانتظامات کی بہتری کے نام پر کیا گیا تھا لیکن درحقیقت اس کا مقصد خبروں کی ترسیل کو قابو میں رکھنا تھا۔

PFUJ نے ہر گام پر اس آمرانہ اقدام کی کھل کر مخالفت اور مذمت کی۔ اس نے پریس آرڈیننس نے دیگر صحافتی تنظیموں کے اشتراک سے کام کرتے ہوئے APNS اور CPNE کے ساتھ مل کر 9 ستمبر 1963 ملک گیر ہڑتال اور احتجاج کیا تاہم APNS اور CPNE (جو ایک سکے کے دو رخ ہیں) نے جلد ہی جوائنٹ ایکشن کمیٹی سے کنارہ کر کے نام نہاد ''ضابطہ اخلاق'' بنانے کے لئے حکومتی فرمان کو قبول کر لیا جس کی بدولت حکومت کو پریس آرڈیننس کے نفاذ میں آسانی ہو گئی۔ حکومت نے جلد ہی پریس آرڈیننس کے تحت ڈھاکہ سے جاری ہونے والے حزب اختلاف کے اخبار ''روزنامہ اتفاق'' پر پابندی

لگادی۔PFUJ نے PPO کی تنسیخ کا مطالبہ جاری رکھا اور ضابطہ اخلاق سمیت پریس کونسل کے قیام کی تجاویز کی مخالفت کی حالاں کہ اس وقت پریس دشمن قانون لاگو تھے۔

پہلا پریس کمیشن

جب1958 میں (ایوب خان کے مارشل لاء سے پہلے) پہلا پریس کمیشن وجود میں آیا تو PFUJ نے آزاد پریس کے لئے معاشی و دیگر ضرورتوں کے تناظر میں اپنے نظریات اور سفارشات پر مبنی تفصیلی یادداشت پیش کی۔ یہ یادداشت خاص طور پر ان خصوصی قوانین پر بنائی گئی جو صحافیوں کے روزمرہ معمولات سمیت پریس کو بری طرح متاثر کر رہے تھے۔قدیم طرز کے ان قوانین کی تنسیخ یا PFUJ کی سفارشات کے مطابق ان میں بڑے پیمانے پر یہ تبدیلیاں ضروری تھیں:

1۔ پریس رجسٹریشن آف بکس ایکٹ،1867
2۔ ریاستی قانون (ڈس افیکشن سے تحفظ) ایکٹ1922
3۔ سرکاری رازوں کا قانون،1923
4۔ پریس (ایمرجنسی پاور) ایکٹ،1931
5۔ خارجہ تعلقات کا قانون،1932
6۔ ریاست کے تحفظ کا قانون،1934
7۔ پاکستان پینل کوڈ،1860 کی سیکشن A-124اور505
8۔ کرمنل پروسیجر کوڈ برائے سمندری کسٹمز ایکٹ،1878 کی سیکشن A-99اور G-99
9۔ ٹیلی گراف ایکٹ1885 کی سیکشنز
10۔ پوسٹ آفس ایکٹ1898 کی سیکشن25،26اور27D
11۔ سیکیورٹی ایکٹ1952 کے ضوابط اور ہتک عزت سے متعلق قوانین کے ضوابط

PFUJ نے پریس کمیشن کے نام اپنی یادداشت میں زور دیا کہ جیسا کہ پاکستان جدید جمہوریت ریاست بننے جا رہا ہے جس کا موجودہ حکومت اعادہ کر چکی ہے ایسے میں ملک میں وہ تمام مروجہ قوانین جو پریس کو بری طرح متاثر کرتے ہیں لازمی طور پر پوری طرح جانچے جائیں اور جو قوانین پریس کی آزادی سے متصادم ہوں اقوام متحدہ کے کنونشن کی روشنی میں تحلیل کر دیے جائیں۔اس بات کو بھی لازمی طور پر قانون سازی کے ذریعے یقینی بنایا جائے کہ آئندہ کسی بھی صحافی یا اخبار کے خلاف جو بھی اقدام کیا جائے گا باقاعدہ عدالتی مقدمے کے تحت ہوگا۔

رکاوٹوں اور عوامی مزاحمت کا سامنا،1966 تا1969

1968 کا سال PFUJ کی تاریخ میں آزادی صحافت کے سال کے طور پر اہمیت رکھتا ہے۔1968 میں مکمل طور پر اور1969 کے اوائل تک (یہ دور نئے آمر جنرل یحییٰ خان کے اقتدار پر ختم ہوا) ایوب خان کی مطلق العنانیت کے خلاف عوامی سرکشی کے واقعات سے لبریز ہے۔جنرل ایوب خان کی حکومت کے آخری دور میں جابرانہ اقدامات انتہا کو پہنچ گئے، پریس کے خلاف شکنجہ بہت زیادہ تنگ کر دیا گیا۔1966 میں ڈیلی اتفاق کی بندش کے بعد ہفت روزہ پُر بانی ڈھاکہ اور ویکلی چٹان لاہور کو بھی حکومت نے مقفل کر دیا۔عدالتی کارروائی کے بغیر صحافیوں کو حراست میں لیا گیا، نوائے وقت لاہور، عبرت حیدر آباد، پاکستان آبزرور، آزاد اور سنگباد جو ڈھاکہ سے شائع ہوتا تھا کے سرکاری اشتہارات ختم کر دیے گئے۔ پریس ایڈوائس کے طلسماتی نظام کو باقاعدہ معمول بنالیا گیا اور اس کا دائرہ کار صحافیوں کے روزمرہ معمولات تک پھیلا دیا گیا۔

اس سلسلے میں 15 تا15 دسمبر1968 کو کراچی میں PFUJ کی مرکزی ایگزیکٹو کونسل کا اجلاس ہوا، جس میں صورتحال کا جائزہ لے کر قرار منظور کی گئی کہ حالیہ مہینوں کے دوران پریس کا بطور تعمیری اور عوامی آراء پر مبنی جمہوریت سازی کے لیے کام کرنا ناممکن ہو گیا ہے، نامساعد حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ لوگوں کا پرنٹ کی دنیا پر سے یقین اٹھ گیا ہے اور صحافیوں کی بطور معاشرے کے نگران کی حیثیت بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔FEC کو یقین ہے کہ سرکاری سطح پر ہونے والے ایسے مظالم کا سامنا قومی پریس کو ماضی میں بھی رہا ہے جن کا ہر دور میں ڈٹ کر مقابلہ کیا گیا، اب بھی آزادی صحافت کی بحالی کے لئے درپیش اس نامساعد صورت حال کا پامردی سے مقابلہ کیا جائے گا اور ہر بار نتیجہ پہلے سے زیادہ بہتر برآمد ہوتا ہے۔کونسل نے واضح کیا کہ حالیہ صورت حال ایک دہائی سے جاری پریس کو متزلزل کیے جانے کے اقدامات کا نتیجہ ہے۔

FEC نے اس امر پر اطمینان کا اظہار کیا کہ پورے ملک کی صحافی برادری پریس کی آزادی کے لیے اپنی جدوجہد کی روایت برقرار رکھنے کے لئے ہر کڑے وقت میں صدائے حق بلند کرتی ہے۔گزشتہ دو ماہ کے دوران بھی انہوں نے کبھی گھٹنے نہ ٹیکنے کے عزم کا مظاہرہ کیا۔اس عرصے کے دوران مختلف

اجلاسوں، مظاہروں، ریلیوں اور جلوسوں سمیت 10 دسمبر کی ملک گیر کامیاب ہڑتال میں صحافیوں نے واضح کر دیا ہے کہ وہ پریس پر شب خون مارا جانے نہیں دیں گے اور آزادی صحافت کی جدوجہد آخری دم تک جاری رکھیں گے۔ اس سلسلے میں FEC نے اخباری ملازمین، خطاطوں، پروف ریڈرز کی صحافیوں کے ساتھ ہر موقع پر شرکت اور تعاون کی ستائش کی اور امید ظاہر کی کہ اخباری ملازمین کا یہ اتحاد مزید پروان چڑھے گا۔

پر تشدد واقعات

یہ دور املاک پر حملوں کے واقعات سے بھی بھرا ہو جس میں ایک طرف امن وامان کے رکھوالے تو دوسرے ان کے سیاسی مخالفین تشدد کا راستہ اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ جن کا نشانہ رپورٹرز، پریس فوٹو گرافرز اور پاکستان بھر کے اخباری دفاتر بالخصوص ڈھاکہ، کراچی، لاہور اور راولپنڈی کے اسٹیشنز بنتے تھے۔ اس دوران ڈھاکہ میں بلوائیوں نے NPT کے ماتحت اخبارات ''مارننگ نیوز'' اور ''دیا نک پاکستان'' کے دفاتر جلا دیے جبکہ ڈیلی یونٹی، ڈیلی انصاف چٹاگانگ، ڈیلی کوہستان لاہور اور راولپنڈی کے دفاتر پر حملہ کر کے ان کے پرنٹنگ پریس اور لاکھوں روپے مالیت کا آفس فرنیچر برباد کر دیا۔

مک کارتھیت کی مزاحمت

مزید برآں کالے قوانین اور ریاست چلانے والوں کے صوابدیدی اقدامات سمیت دوسری قوتیں، سیاسی جتھے اور ارباب اختیار کے ناگزیر طے شدہ مفادات پریس کو متزلزل کرتے رہے تاہم اسی کے ساتھ حکمرانوں کو اپنے گروہی اور طبقاتی مفادات کے لئے پریس کو اپنا تابع بنانے کی خواہش رہی لہذا PFUJ ابتدا ہی سے ان قوتوں کے زیر عتاب آتی رہی۔

پچاس کی دہائی کا ریاست کے چوتھے ستون میں سے کمیونسٹ اور سرکش افراد کو باہر کرنے کی ریاستی کوشش سے تعبیر ہے۔ اس طلسماتی کھیل کے باز یگروں میں حکمرانوں، ملکیتی مفادات رکھنے والوں اور تیز مزاج سیاستدانوں کے ساتھ ایڈیٹرز مجید نظامی اور الطاف حسین بھی شامل تھے، جو PFUJ اور اس کی ذیلی تنظیموں کے متوازی جیبی دھڑے بنانا چاہتے تھے۔ خاص طور پر الطاف حسین جن کا دعویٰ تھا کہ وہ قائداعظم کے پیروکار اور بے باک صحافی ہیں نے نہ صرف جنرل ایوب کے مارشل لاء میں وزارت قبول کی بلکہ اپنے اخبار کے ملازمین کو PFUJ اور KUJ سے باز رہنے تنبیہ بھی کی تاہم ایم اے شکور جیسے صحافی اخلاقی جرأت اور استقامت کے اپنے ایڈیٹر کی دھمکی کے باوجود ٹریڈ یونین سے جڑے رہے۔ بعض موقع پرستوں نے اس خوف کے آگے گھٹنے بھی ٹیکے اور KUJ و PFUJ کی رکنیت سے دستبردار ہو گئے جو الطاف حسین کی مداح سرائی میں مصروف ہونے کے باوجود خود کا آزادی صحافت کا سرخیل پیش کرتے ہیں۔ یہاں یہ بتانا ناگزیر ہے کہ الطاف حسین وہ شخص ہے جس نے وزارت اطلاعات کی وساطت سے خفیہ اداروں کو کارروائی کے لئے قابو میں آنے والے صحافیوں کی فہرست فراہم کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب 1954 میں امریکا سے معاشی و عسکری معاہدے کے بعد جرأت مند سیاسی کارکنان، ادباء، صحافیوں، طلبہ اور ٹریڈ یونینسٹوں کو پابند سلاسل کیا جا رہا تھا۔ ان گرفتار شدگان میں ڈان کے سینئر صحافی ایم اے شکور اور ایرک رحیم، احمد حسن سمیت دیگر جن میں راقم بھی شامل ہے کو سیکیورٹی ایکٹ کے تحت حراست میں رکھا گیا۔

جنرل شیر علی طلسماتی کھیل

جنرل یحیٰ کے مارشل لاء کے ساتھ PFUJ کے خلاف گھناؤنے جرائم پر مبنی اس وقت کے وزیر اطلاعات جنرل شیر علی کی سربراہی ہیبت ناک مہم بھی جاری رہی۔ بعض تند مزاج سیاسی رہنماؤں اور ملٹری کی حمایت سے اپنے طے شدہ ملکیتی مقاصد کے لئے PFUJ کے رہنماؤں اور کارکنان کو حملوں کا نشانہ بنایا۔ اس مہم کی کامیابی کے لئے انہوں لاہور کے اکا دکا روزناموں اور ایک ہفت روزہ کو اپنا حاشیہ بردار بنا رکھا تھا۔ انہوں نے کمیونسٹ اور مذہب مخالف میڈیا کارکنان کے خلاف شور مچانا شروع کیا اور اخباری صنعت سمیت ریڈیو، ٹیلی وژن اور دیگر اداروں سے باہر کرنے کی کوششیں اختیار کر لیں۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں جنرل ایوب کے مارشل لاء میں پاکستان ٹائمز اور امروز پر سرکاری قبضے کا خیر مقدم کیا تھا۔ ان میں ایک نمایاں کردار نوابزادہ نصر اللہ خان (جو اب جمہوریت کے علمبردار بنے ہوئے ہیں) کا تھا۔ انہوں نے NPT کے ماتحت اور دیگر اداروں میں موجود زیادہ تر صحافیوں کو سرخا قرار دے کر اسلام اور نظریہ پاکستان کی حفاظت کے نام برطرف کرنے کی صلاح دی۔ ایک ہفت روزہ زندگی نے PFUJ اور اس کی قیادت کے خلاف آرٹیکلز کا سلسلہ چلایا اور مارشل لاء حکام سے ان صحافی رہنماؤں کو ملازمتوں سے بیدخل کرنے کی سفارش بھی کی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ PFUJ کو کے راستے ہٹانے کے خواہاں یہ عناصر (جن میں بعض باقاعدہ تنخواہ دار تھے) کبھی جمہوری اقدار اور پریس کی آزادی کے لئے نہیں بولے۔ کالے قوانین اور جابرانہ اقدامات کے خلاف بھی

ان کی آواز اس وقت نکلی جب ان کے اپنے سیاسی گروہ کے طے کردہ مفادات زد میں آنے لگے۔ جب ان کے سیاسی نظریہ سے ہٹ کر سرکاری سطح پر کسی اخبار کو ظلم و جبر کا نشانہ بنایا جاتا تو یہ عناصر اس کی مذمت کے بجائے کھلے دل سے اس کا خیر مقدم کرتے۔ درحقیقت یہ لوگ ضرورت کے وقت جج بھی بن جاتے اور سرکاری وکیل بھی۔

PFUJ نے اس تمام طلسماتی کھیل اور مطیع بنانے کی کوششوں کے خلاف سینہ سپر لڑتی رہی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مک کارتھیت یہ سوچ جمہوریت اور پریس کی آزادی کے لئے ارباب اختیار کے صوابدیدی ہتھکنڈوں اور قانون کی کتب میں خونیں قوانین شامل کرنے سے کم مہلک نہیں ہوتی۔

جنرل یحییٰ کی آمریت ہمارے بنگالی بھائیوں کے قتل عام، جرنیلوں کی شرمناک شکست اور ملک ٹوٹنے کے حوالے سے یاد کی جاتی ہے

بھٹو کا دور

یحییٰ خان کے دور آمریت میں بڑے پیمانے صحافیوں کو ازی ان کی ملازمتوں سے نکالا گیا تھا جس کی 1970 کے انتخابات جیت کر حکومت بنانے والے پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما ذوالفقار علی بھٹو نے نہ صرف مذمت کی بلکہ اپنے اقتدار میں آنے کے بعد برطرف اخباری کارکنان کو بحال بھی کر دیا، ان کی ہدایت پر PPP کے پہلے وزیر اطلاعات عبدالحفیظ پیرزادہ نے APNS کو برطرف صحافیوں کی بحالی پر قائل کیا تاہم مسٹر بھٹو کی پارٹی پریس اینڈ پبلیکیشنز سمیت دیگر خونیں قوانین کی تنسیخ سمیت نیشنل پریس ٹرسٹ کے خاتمے اور الیکٹرانک میڈیا کو حکومتی تسلط سے آزاد کرنے کا وعدہ پورا کرنے میں ناکام رہی۔ جس سے عوام اور PFUJ میں مایوسی پیدا ہوئی کیونکہ PPP کی حکومت اس طرز عمل سے اپنی بنیادی دستاویز یعنی منشور کی بھی دھجیاں بکھیر رہی تھی۔ اقتدار میں آنے کے دو ماہ بعد ہی اس حکومت ''جمہوریت پالیسی ہے'' کا نعرہ لگا کر دو ہفت روزہ اور ایک ماہنامہ جن میں پنجاب پنچ، اردو ڈائجسٹ اور زندگی کو آمرانہ حکم نامے کے تحت بند کر دیا (مسٹر بھٹو بیک وقت صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی تھے۔ اس حکم نامے کے نہ صرف معتوب اخبارات کے مدیران کو جیل روانہ کیا گیا بلکہ آئندہ دس برس تک کسی بھی اخبار یا جریدہ کی ادارت پر پابندی لگا دی گئی۔ انہیں عمومی قوانین کے تحت عدالت سے رجوع بھی حق نہیں دیا گیا گو کہ روزنامہ زندگی اور اردو ڈائجسٹ کے مدیران نے ماضی میں PFUJ اور اس کے قائدین پر پرتشدد حملے کیے تھے اس کے باوجود PFUJ نے حکومتی اقدام کی مذمت اور مدیران کی رہائی کے لئے مطالبہ کیا جس کے نتیجے میں مذکورہ مدیران رہا کر دیے گئے اور ان پر عائد پابندی کالعدم قرار دے دی گئی۔

اس کے بعد یہ حکومت بھی رفتہ رفتہ اپنے پیشرو حکمرانوں کے نقش قدم پر چل پڑی اور اس کے زیادہ سے زیادہ انحصار استحصالی نوعیت کے قوانین PPO، DPR اور MPO سمیت پریس ایڈوائسز پر رہنے لگا جن کی عدم تعمیل پر متعلقہ اخبار یا جریدے کو سرکاری اشتہارات اور نیوز پرنٹ کوٹے سے محروم کر دیا جاتا۔ سزا کا طریقہ گارجین پشاور اور آؤٹ لک کراچی کے ساتھ اختیار کیا گیا، ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہفت روزہ الفتح کا نیوز کوٹہ مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا۔ اس دور میں روزنامہ ڈان کے چیف ایڈیٹر الطاف گوہر سمیت اخبار کے پرنٹر اور پبلشر کو گرفتار کیا گیا، الطاف گوہر جنرل ایوب خان کے دور آمریت میں بطور وزیر اطلاعات PFUJ کے لئے بہت سی مشکلات پیدا کر چکے تھے اس کے باوجود PFUJ نے DPR کے تحت ان کی گرفتاری کو انصاف مخالف اقدام قرار دیا جنہیں بعد ازاں رہا کر دیا گیا اور انہوں نے ادارت کے پیشے کو خیر باد کہہ دیا جو ایک علیحدہ داستان ہے۔

1973 میں PPP کی حکومت نے روزنامہ حریت، جسارت اور مہران کو PPC کے تحت بند کیا، جس پر PFUJ نے ملک گیر ہڑتال کر کے اخبارات کی بحالی اور ان کے مدیران کی رہائی کے لیے آواز بلند کی۔ اس دور میں سرکاری میڈیا اور ان کے حاشیہ برداروں کی جانب سے PFUJ اور اس کی قیادت پر حملہ بھی کیا گیا۔ PPP حکومت کے وزیر اطلاعات مولانا کوثر نیازی جنرل ایوب کی آمریت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نام نہاد ''پریس کونسل'' کے قیام کے لیے سرگرم عمل رہے۔ اس سلسلے میں اس وقت کی حکومت نے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار کو پریس کمیشن کا سربراہ مقرر کیا، جس پر PFUJ نے یہ موقف اختیار کرتے ہوئے بائیکاٹ کیا کہ اٹارنی جنرل کی سربراہی میں پریس کمیشن خود مختار ادارہ اور عدل کا گہوارہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا سربراہ حکومت کا ایک تنخواہ دار ملازم ہے۔

جنرل ضیاء کی پریس دشمن حکومت

شاید ہی کبھی کہیں پریس اتنا زیر عتاب آیا ہو جتنا کہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق کی آمریت میں آیا جسے سپریم کورٹ کے فیصلے کے ذریعے ''قانون ضرورت'' کے تحت قانونی حیثیت دی گئی لیکن یہ دور جابرانہ اقدامات سے عنوان رہا جس میں اخبارات کی آزادانہ اشاعت سے طویل سنسر شپ

عائد کر کے روکا گیا، اخباری مدیران اور صحافیوں کو گرفتار کیا گیا، انہیں نہ صرف آمرانہ قوانین کے تحت سخت سزائیں دی گئیں بلکہ کوڑے تک مارے گئے تاہم اس دور میں آزادی اظہار رائے کے حق کے لئے PFUJ اور APNEC کی قیادت میں صحافیوں اور اخباری کارکنان نے ناقابل فراموش قربانیاں دے کر تاریخ میں اپنے پیشہ کا فخر سے بلند کر دیا۔ ریاست کے چوتھے ستون کی یہ فقید المثال عظیم جدوجہد نومبر 1977 کے اواخر میں کراچی میں جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے نفاذ کے 5 ماہ بعد منظر عام پر آئی جب آمرانہ حکومت کی جانب سے روزنامہ مساوات کراچی کی بندش کے بعد شروع ہوئی، آمروں کو بندش ختم کرنے پر قائل کرنے میں ناکامی کے PFUJ اور APNEC یکم دسمبر 1977 کو بھوک ہڑتال مہم کا آغاز کیا اور اس ہڑتال میں ملک بھر سے صحافیوں اور اخباری کارکنان کی شرکت دیکھ کر جابر حکمرانوں نے 8 دن میں گھٹنے ٹیک دیے اور بندش ختم کر دی۔

اس شکست پر حکومت چین سے نہ بیٹھی اور اس نے پریس کے خلاف بھونڈے انداز میں بھڑاس نکالنا شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں مساوات لاہور سمیت ایسے ہفت روزہ جو آمرانہ حکومت پر تنقید کرتے تھے بند کر دیا گیا جن میں الفتح، معیار وہ دیگر جرائد شامل تھے۔ حکومت سے طویل دورانیہ کے مذاکرات لاحاصل رہنے کے PFUJ اور APNEC کے قومی اکابرین نے 30 اپریل 1978 کو لاہور میں ملک گیر ہڑتال شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس بار چارٹرڈ آف ڈیمانڈ میں بند کیے گئے اخبارات کی بحالی اور مساوات کے مدیران، مالکان بدرالدین اور ظہیر کشمیری اور اخبار کے پرنٹر میر جمیل الرحمن کی رہائی سمیت حکومت کے زیر انتظام NPT اخبارات سے برطرف PFUJ اور APNEC کے عہدیداروں کی بحالی کے مطالبات شامل کیے گئے۔

یہ تاریخی تحریک دو مرحلوں میں پھیلی، پہلا دور لاہور میں 30 اپریل سے 30 مئی جاری رہا، دوسری بار احتجاج کا سلسلہ 18 جولائی 1978 سے کراچی میں شروع ہوا جو 10 اکتوبر کو ختم ہوا۔ دونوں یکساں جوش و جذبے سے سرشار ہونے کے باوجود حالات و واقعات کے حوالے سے امتیازی اہمیت اور یادگاریں رکھتے ہیں۔ لاہور کی بھوک ہڑتال کے دوران گرفتار ہونے والے صحافیوں کو آمرانہ قوانین کے تحت 6 ماہ سے ایک سال تک کی قید بامشقت کی سزا سنائی گئی جبکہ تین صحافیوں (ناصر زیدی، خاور نعیم ہاشمی اور اقبال جعفری) کو کوڑے لگائے گئے تاہم چوتھے صحافی مسعود اللہ خان کو معذوری کی بنا پر ڈاکٹر کی مداخلت کے پیش نظر چھوڑ دیا گیا۔ PFUJ اور APNEC سے چار بار ہزیمت اٹھانے اور آزادی اظہار رائے کی تحریک کو دبانے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد آمروں نے جیبی PFUJ اور APNEC بنانے کے لئے ''راشد صدیقی گروپ'' تشکیل دے دیا۔ مذکورہ چاروں کامیابیوں سے۔

سرکاری میڈیا بھی PFUJ کی جدوجہد کی تشہیر کا ذریعہ بنتا رہا جو تحریک کی مخالفت میں حکومت کی حمایت کر رہا تھا اور آزادی اظہار کی مخالفت میں اپنا اصل رنگ دکھا کر بے نقاب ہو رہا تھا۔ اس تحریک کے نتیجے میں حکومت نے مساوات لاہور پر سے پابندی ہٹا دی اور گرفتار صحافی اور اخباری کارکنان رہا کر دیے تاہم NPT نے اپنے ماتحت اخبارات میں برطرف صحافیوں کو بحال کرنے سے انکار کر دیا۔ مزید برآں حکومت نے اس کے مساوات کراچی کو بند کر دیا جس پر لائحہ عمل بنانے کے لئے 12 جون کو کراچی میں PFUJ کا اجلاس ہوا اور 18 جولائی 1978 سے جدوجہد دوبارہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس تحریک کا ناقابل فراموش واقعہ یہ ہے کہ جدوجہد کے آغاز سے 10 اکتوبر تک (تقریباً 2 ماہ 25 دن) PFUJ اور APNEC کے صدر پابند سلاسل رہے۔ اس تحریک میں عدالت نے ملک بھر سے آئے صحافیوں اور اخباری کارکنان کے ساتھ کی حمایت کے لیے آئے متعدد ٹریڈ یونینسٹس، طلبہ اور اندرون سندھ سے آئے ہاریوں کو گرفتار کروا کر صوبے کی تقریباً جیلیں بھروا دیں۔ (لاہور کی تحریک کے دوران گرفتار تمام صحافیوں اور اخباری کارکنان کو پنجاب کی مختلف جیلوں میں بھیج دیا گیا۔ سندھ کی بھوک ہڑتال جیلوں میں کارکنان کی اموات تک جاری رہنے کی تلخ یادیں رکھتی ہے۔ APNEC اور PFUJ کی ہڑتال حکومت کی جانب سے مطالبات کی منظور پر ختم ہوئی۔ نتیجے میں مساوات کراچی کی اشاعت بحال ہوگئی، گرفتار افراد رہا کر دیے گئے اور NPT نے اپنے زیر انتظام اخبارات (پاکستان ٹائمز اور امروز) میں PFUJ اور APNEC کے عہدیداروں سمیت افراد کے سوا دیگر 30 افراد کو ملازمتوں پر بحال کر دیا۔ جنرل ضیا کے آمرانہ دور میں 1983 کے دوران جب MRD کی تحریک چلی تو حکومتی سرپرستی میں چلنے والے ادارے NPT نے اپنے زیر اثر اخبارات ''پاکستان ٹائمز، امروز اور مشرق'' سے بطور ان صحافیوں اور اخباری ملازمین کو ملازمت سے برخواست کر دیا تھا اس ریاستی جبر کے زیر عتاب حکومت کے خلاف انصاف کی اپیل کی پاداش میں ملک کے 50 شعراء، ادباء اور دانشور آئے جن پر ٹیلی وژن اور ریڈیو کے دروازے بند کر دیے گئے۔ ان میں معروف صحافی مسعود اشعر، شفقت تنویر مرزا، اظہر جاوید، رخشندہ حسن، بدرالاسلام بٹ، عزیز مظہر، اورنگزیب، ممتاز احمد، آئی ایچ راشد اور مرحوم ممتاز ملک بھی شامل تھے۔ اس واقعے نے قطعی طور پر واضح کر دیا کہ ضیاء حکومت کے بنیادی انسانی حقوق مخالف اقدامات اسلامی طرز انصاف کے دعوؤں کی بین نفی اور اس کے حقیقی

تقاضوں سے متصادم ہیں۔اس دور اقتدار کے دوران اخبارات میں پریس سنسر شپ کا بدترین باب کھولا گیا جس میں حاکم جرنیل کے کسی بھی آدمی کی کردار کشی سے متعلق اخبارات کی خبریں چھپانے کے لیے قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا سہارا لیا جاتا تھا۔

بے نظیر، شریف دور

12 اکتوبر 1989 سے 1999 تک پاکستان نے دو سویلین حکومتوں کے ادوار دیکھے جن کے سربراہان سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو اور پھر نواز شریف رہے دونوں کو اس عرصے میں دو، دو بار مسند اقتدار حاصل ہوئی۔اگرچہ ان کا دور اقتدار پریس کی آزادی کے لئے سابقہ آمرانہ ادوار کی طرح تکلیف دہ نہیں تھا لیکن حکام کے حد سے تجاوز کی وجہ اس دور میں پریس مکمل طور پر آزاد نہیں رہا۔ PPP کے پہلے دور اقتدار میں حکومت نے کراچی کے 6 روزناموں (عوام، قومی اخبار، پبلک، آغاز اور ایوننگ اسپیشل) پر MPO کے تحت پابندی لگا کر انہیں بیک جنبش قلم بند کر دیا۔اگرچہ یہ پابندی چند میں ختم ہوگئی لیکن اس نے دو باتیں واضح کر دیں کہ ایک تو پاکستان میں عوامی حکومت بھی جمہوریت کے فروغ اور پریس کی آزادی کے تمام تر دعوؤں اور وعدوں کے باوجود پاکستان میں اپنے اوپر تنقید اور امور حکومت میں بے قاعدگیوں کو بے نقاب کرنا برداشت نہیں کرتی۔دوسرے یہ نفرت آمیز پریس اینڈ پبلیکیشنز ایکٹ (جو ترامیم کے بعد بے اثر اور ناقابل استعمال ہو چکا ہے) سمیت دیگر کالے قوانین MPO، سرکاری رازوں کا قانون، سیکیورٹی ایکٹ وغیرہ تاحال کسی بھی اخبار یا صحافی کے خلاف حکومتی جبر کے لئے تاحال قانون کی کتاب کا حصہ ہیں۔جنہیں بروئے کار لا کر نواز شریف دور میں روزنامہ جنگ کو ہراساں اور فرائیڈے ٹائمز کے ایڈیٹر بلا انتباہ گرفتار کر کے فسطائی ادوار کی یاد تازہ کی گئی۔اس دور میں جنگ گروپ کی انتظامیہ PFUJ اور APNEC کی حکومتی جبر کے خلاف جدوجہد کو سراہتے ہوئے تحریری طور پر کنٹریکٹ سسٹم ختم کرنے اور تمام عارضی ملازمین کو مستقل کرنے کی یقین دہانی کروائی لیکن معاملہ طے ہونے پر مذکورہ معاہدے کو فراموش کر دیا۔اس دور میں خوش آئند اقدام یہ ہوا کہ بدنام زمانہ پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس پر نظر ثانی کر کے اس کی خوفناک شقیں ہذف کر دی گئیں لیکن ترمیم شدہ قانون اب بھی نوکر شاہی اختیار کا شاہکار ہے اور اسے جمہوری ممالک کی طرز پر بہتر بنانے کی گنجائش باقی ہے۔

حالیہ دور

PFUJ نے کبھی کسی ماورائے آئین اور مطلق العنان حکومت کی حمایت نہیں کی خواہ وہ سویلین ہو یا عسکری۔اس کا یقین محکم ہے کہ آئینی ڈھانچے اور عوام کی حقیقی ترجمان جمہوریت سے ہٹ کر پریس اور اظہار کی آزادی پروان نہیں چڑھ سکتی۔PFUJ نے بدترین مارشل لاء اور مطلق العنان جمہوریتوں کے مختلف ادوار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر دور میں پریس اور اس کے کارکنان کی حریت کی لڑائی لڑی اور ان معرکوں میں بے تحاشہ قربانیاں دیں۔

اس کا یہ بھی ماننا ہے کہ پریس کی آزادی اور کارکنان کے معاشی و دیگر حقوق بنیادی انسانی حق ہونے کے ناتے لازم و ملزوم ہیں۔اصل مدعا یہ ہے کہ بنیادی انسانی حقوق کا مقصد سول سوسائٹی کو جبر، ناانصافی اور استحصال سے پاک بنانا ہے۔آج کے دور میں سول سوسائٹی کا لفظ مکمل طور پر مختلف انداز میں استعمال کیا جاتا ہے۔اگر معاشرے کے محنت کش، ہاری اور متوسط طبقہ جبر استبداد کی چکی میں پس رہے ہیں تو ایسا معاشرہ کبھی بھی مہذب اور جمہوری نہیں ہوسکتا خواہ اس پر کتنی ہی چھاپ لگادی جائے۔پاکستانی معاشرے اپنے آغاز سے ہی جبر اور استحصال کے نظام کا شکار ہے۔یہ ایک کثیر جہتی نظام ہے۔جس میں جاگیردار اور سرمایہ دار کے ساتھ IMF، ورلڈ بینک کے ذریعے نام نہاد گلوبلائزیشن کے بینر تلے جدید نوآبادیاتی امور انجام دیے جارہے ہیں۔بدقسمتی سے ہمارا حکمران طبقہ بشمول عسکری و عوامی اشرافیہ جن میں بڑے کاروباری افراد، بڑے جاگیردار، نوکر شاہی کے حاشیہ بردار اور بیرونی امداد پر پلنے والی NGOs شامل ہیں جو اس نظام کو فروخت کرتے ہیں۔یہ ٹولہ مذہب، جمہوریت، استحکام اور انسانی حقوق کے نام پر ''اسٹیٹس کو'' کا دفاع کرتا ہے۔

مشرف گورنمنٹ کا رویہ پرنٹ میڈیا کے لئے اب تک کافی بہتر رہا ہے اور انہوں نے اپنے قبیلہ کے خلاف تنقید بھی برداشت کی تاہم الیکٹرانک میڈیا، ٹیلی وژن اور ریڈیو کے ساتھ ان کا سلوک کافی معاندانہ ہے جنہیں وہ مخالفت کی اجازت نہیں دیتے یہی کچھ سابقہ سویلین ادوار میں بھی ہوتا رہا ہے۔جس طرح سے ان کے دور میں ٹریڈ یونین اور سیاسی سرگرمیوں پر قدغن لگائی گئی ہے اور خود ساختہ احتساب اور انصاف کا نظام جاری کیا گیا ہے اس سے مطلق العنانیت اور جبر و استبداد کی بو آتی ہے۔